"اس لیے کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —"

مشاہد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا جو سَن روم میں پچھلے دو گھنٹے سے
نیچے سے آنے والی آوازوں کی بھنبھناہٹ اور طبلے کی ایک آدھ تھاپ سنتا تھا اور
کے لب مسکراہٹ میں پھیل گئے۔

برگیتا بھی منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی "ارشد — پلیز مجھے یہ کوئیکشن
— میں بالکل لاچار ہو چکی ہوں اور میرے ذہن میں بالکل نہیں آ رہا کہ... آخر یہ
کا خوشی سے کیا تعلق ہے کیونکہ مشیل نے بھی یہی کہا تھا... جب تم لوگ شکار پر
یاد ہے؟"

"برگیتا بھابھی — میں زندگی بونس پر گزار رہا ہوں۔ وہ جو گذرنی تھی
گذر چکی۔ ٹرین جا چکی ہے اب صرف اس کے پہیوں کی گونج پلیٹ فارم پر باقی
تھوڑی دیر کے لیے باقی ہے اور میں اس گونج میں ہوں۔ جو شخص یہ جانتا ہو کہ
گونج کے اختتام پر ختم ہو جائے گا... وہ یہی کہہ سکتا ہے کہ چار مرغابیوں کا خوشی
تعلق نہیں۔"

"بالکل —" برگیتا نے لاچارگی سے سر جھٹکا اور ناک میں اس کی
محسوس کرتے ہوئے سارا مشروب حلق میں اُنڈیل لیا "میری سمجھ میں ساری با
ہے۔"

"تم نہیں سمجھ سکو گی برگیتا — یہ کاشینٹ آف سیرے ہے... انسانوں
اپنے پاس بلاتا ہے اور پھر انہیں جانوروں میں بدل دیتا ہے... اس کی کشش
ہے... یہاں ہر شے اور ہر عمل پر لاجک اپلائی نہیں کی جا سکتی —"

"اور اِسی لیے اس کی بھی کوئی لاجک نہیں کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے
—" ارشد قہقہہ مار کر ہنسا۔

برگیتا نے بناوٹی غصے میں اپنا گلاس اُٹھا کر ارشد کو نشانہ بنایا "خدا کے
مرغابیوں کی بات اب نہ کرنا نہیں تو میں تمہیں قتل کر دوں گی — تم دونوں
ایک کو تو ہر صورت میں —"

"ہیلو۔ ہیلو" زاہد کالیا ہانپتا ہوا اوپر آ چکا تھا اور اُس کے تعاقب میں وہی
تھا۔ نیچے سی ڈی حسین فل سونگ میں تھا۔

سی ڈی حسین کے بارے میں مصدقہ افواہ تھی کہ پارٹیشن کے دنوں میں کامونکی ریلوے سٹیشن پر ہندوؤں کی جو ٹرین روک کر ملیا میٹ کی گئی تھی تو کئی روز تک کوئی جانور ہی لاشوں کی بُو برداشت کرنے کا اہل ہو کر ادھر جانے کے قابل نہ ہوتا تھا تو تب سی ڈی حسین ایسا دلیر تھا جو ادھر جاتا تھا... کئی کہتے تھے کہ روزانہ جاتا تھا اور لاشوں کی جامہ تلاشی کرتا تھا۔ کچھ کہتے تھے کہ نہیں صرف سرخ گھگھرے والی کوئی بڑھیا تھی جس کی کمر کے ساتھ کرنسی نوٹوں کی ایک پیٹی بندھی ہوئی تھی... یہیں سے سی ڈی حسین کی عظمت کا آغاز ہوا تھا۔ صرف ان دنوں وہ چراغ دین تھا۔

تو سی ڈی حسین فُل سونگ میں تھا۔

"اصل میں مسئلہ صرف یہ ہے کہ کیا اس ملک میں قانون کی حکمرانی کی حفاظت کرنے والے لوگ ہیں؟... ہم جو قانون کے پاسبان ہیں.. ابھی پچھلے دنوں پی۔ ایم نے ایک بل کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا... تو ہم جو قانون کے پاسبان ہیں ہم کہاں تک جا سکتے ہیں؟... ساری ذمہ داری ہمارے کندھوں پر تو نہیں ہونی چاہئے... کچھ بوجھ تو عوام کو بھی اُٹھانا چاہئے۔"

"کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں —" صاحب کمال نے اُنگلی اُٹھا کر تائید کی۔

"جنرل صاحب..."

"ریٹائرڈ جنرل —" صاحب کمال نے پھر اُنگلی اُٹھائی۔

"جی سر — تو ابھی پچھلے دنوں کامونکی کے نزدیک جو کیس ہوا ہے۔ اُس کے بارے میں کیا بکواس لکھی ہے انٹرنیشنل پریس نے اور یہاں کے جو مغرب زدہ لوگ ہیں انہوں نے کتنا واویلا مچایا ہے —"

"معاف کیجئے گا واویلا شائد کیا جاتا ہے —" ایک سینئر بیوروکریٹ زبان کی اتنی سی غلطی برداشت نہ کر سکا۔

"جی ہاں —" سی ڈی حسین نے شرمندہ ہو کر فوراً معذرت کی "تو یہ... واویلا کیا گیا — اور — اب پتہ نہیں کس بات پر واویلا کیا گیا —" وہ قدرے بھٹک گیا اور بھٹکا اس لیے گیا کہ اس سے پیشتر وہ بہک چکا تھا۔

"یہ کوئی کیس جو ہوا تھا آپ کے ہاں — اُس کے بارے میں" سلامت مدد کے

لیے سامنے آ گیا۔

"جی ہاں — تو کیس کیا تھا؟ — وہی —" سی ڈی حسین نے "وہی" پر
پیشتر اپنی پوروں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا اور آنکھوں سے آنسو جیسے چھلک جا
"میں قربان... لیکن میں کیسے اپنی کتی زبان سے کہوں کہ کیس کیا تھا —"

"کہیں کہیں" — سلامت نے اس کے تقدس کی ہمت بڑھائی۔

"ہمارے ہاں ایک چُوڑے نے جسارت کی تھی.. مقدمہ چلا ہے تو واویلا
ہے... بلکہ کیا جا رہا ہے کہ حقوق پامال ہو رہے ہیں.. حالانکہ سب کچھ آئین کے م
رہا ہے۔"

"ہینگ دے باسٹرڈ —" صاحب کمال جہاں کہیں بھی جا چکا تھا وہاں سے وا
اور پھر اُنگلی اُٹھا کر جیسے آرڈر آف دے ڈے دے دیا...

"لیکن سی ڈی صاحب — ایک بات ہے" یہ سلامت کی آواز تھی اور
اس کی جانب انتہائی غصے کے عالم میں دیکھا کہ وہ جانتا تھا کہ بس یہی اعتراض کرتا
اب کیا پوچھنا چاہتا ہے یہ ینگ پپ —" سنا ہے کہ چھوٹا سا بچہ ہے اور اَن پڑھ ہے

"سلامت —" صاحب کمال کی آنکھیں مزید سرخ ہو گئیں "تم کس کی
ہو.. میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کس کی سائڈ پر ہو؟"

"ہینگ دے باسٹرڈ سر —" سلامت نے فوراً کہا اور پھر کچھ نہیں بولا۔

سی ڈی حسین کو ذرا شہہ ملی تو وہ پر اعتماد ہو گیا "میں ان چُوڑوں کے
خاندان کو جانتا ہوں۔ اُس خبیث کا باپ انتہائی غلیظ اور ناپاک جسم والا شخص ہے
کی گندگی اور کیچڑ میں اُتر کر گمشدہ چیزیں تلاش کرتا ہے... اُس کا سانس بڑا طویل اور
تھا اس لیے اُسے بکّو ساہ پکا بھی کہتے تھے.. میں ان بدبختوں کو شروع سے جانتا ہوں

"آپ شروع سے اُن کو کیسے جانتے تھے —" ظاہر ہے یہ سوال بھی سلا
طرف سے آیا تھا...

"ہم لوگ تو معززین میں شمار ہوتے تھے جنابِ عالی — ہم تو جی ان
برتنوں یا کپڑوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے.. اب بھی نہیں لگانے دیتے
منگتے قسم کے لوگ ہیں، ہمارے ٹکڑوں پر پلتے ہیں — اور اَن پڑھ اور جاہل ہیں
کے پورے —"

"اس کے باوجود دیواروں پر لکھ لیتے ہیں —"

سی ڈی حسین رُک گیا اور سلامت کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں کہ وہ
ے دیر تک نہ دیکھ سکتا تھا۔

سی ڈی حسین کی فُل سونگ ذرا ڈھیلی ہو کر نیچے آ گئی اور وہ کھسیانا ہو کر اب
ب کمال اور بشیر کی جانب دیکھنے لگا جو اس وقت روسٹ چاپیں کھانے میں مشغول ہو
ے تھے۔

زاہد کالیا "ہیلو، ہیلو" کہتا ہوا ہانپتا ہوا اوپر آ چکا تھا اور اُس کے تعاقب میں وہی ازلی
ورا تھا "بہن یا سارے کمینے نیچے عیش کر رہے ہیں اور میرے یار یہاں اوپر سَن روم میں
ے مرغابیوں کی باتیں کر رہے ہیں — اوئے ڈاکٹر —" وہ ارشد کے قریب آنکھیں
ے جا کر اس کی کنپٹیوں کو غور سے دیکھنے لگا "تیرے بال تو پھر سفید ہو رہے ہیں —
ے بڈھے شیر کوئی شیروں والا کام بھی دکھایا ہے کہ ابھی نہیں — نہیں دکھایا تو ایک
نتہ ہے میرے پاس —"

مشاہد زور سے کھانسا۔

کالیے نے اُدھر دیکھا اور پھر سنبھل گیا "آئی ایم سوری —"

"میں جانتی ہوں کہ تم کیا کہنہ رہے ہو" برگیتا کی ہنسی میں خمار کی مناسب آلودگی
ا "تم بے شک مجھے بھی مردوں کی طرح ہی ٹریٹ کرو — لیکن زاہد تم نے صرف
ردوں کو ہی کیوں مدعو کیا ہے... عورتیں کیوں نہیں؟"

"عورتوں کی موجودگی میں — اپنی عورتوں کی موجودگی میں ہم گلٹی فیل کرتے
ا..." زاہد ٹیرس پر چلتا ہوا ریلنگ تک گیا اور نیچے دیکھ کر کہنے لگا "لان میں بہن یا افغانی
ے لگ رہے ہیں، بکرے سالم کے سالم روسٹ ہو رہے ہیں اور تم لوگ یہاں بیٹھے خوشی
ا مرغابیوں کا شکار کر رہے ہو... ہوائی مرغابیاں بہن یا — یارا نیچے جا کر ذرا بندوبست تو
لجھو —"

"زاہد —" برگیتا اُٹھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی "عورتیں کیوں
ں؟"

"بھرجائی میں بتاتا ہوں کہ عورتیں کیوں نہیں —" وہ اُس کی جانب مڑا — اور
ے دھیانی میں پاؤں کُتورے کی دُم پر رکھ دیا جو مسلسل اُس کے آگے پیچھے ہو رہا تھا۔

کُتورے نے ایک طویل اور شکایت آمیز دردمندی سے چاؤں کی اور چپ ہو گیا
یہاں اس لیے نہیں کہ — ہمارا ملک.. ہمارے عقائد — اور ہم سب سٹیگ پا
— مین اَونلی —"

نیچے فیصل مسجد سے آنے والی شاہراہ پر جیپیں بہت دیر سے کھڑی تھیں
بنگلے کے اندر سے چند ویٹر نفیس وردیوں میں ملبوس برآمد ہوئے اور جن کے ہاتھ
تھامی ہوئی طشتریوں میں وہسکی اور پرندوں کا گوشت تھا اور پرندے ایسے تھے جنہیں
برڈ کہا جاتا ہے اور جیپوں میں بیزار ہوتے پولیس کے اہلکاروں میں زندگی کی ایک نئی
گئی۔

پورے ساڑھے گیارہ بجے وہ نیچے آئیں...

اور جو اُن کے منتظر تھے — لاؤنج اور ڈرائنگ رُوم میں — یا لان میں
کے کنارے... یا کمروں کے اندر جو Elite تھے اور جو غسل خانوں میں مسلسل آ
تھے تو اُن سب کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔

مشاہد، برگیتا اور ارشد بھی نیچے آ چکے تھے اور سیڑھیوں کے قریب کھڑے
وہ تینوں اگر کچھ بھی نہ تھیں تو کم از کم پریاں تھیں جو کہیں سے اُتری
ایسے زرق برق چمچماتے شوخ پیراہنوں میں جو نظر کو چبھتے تھے اور نظریں کھُبتے
از کم پریاں ضرور تھیں۔ اور زاہد کالیا — اَن کُوتھ اَن گھڑ زاہد کالیا ان آسمانی
گشتیاں کہتا تھا۔ آفٹر آل نسبت روڈ کے پھیری لگانے والے کا بیٹا تھا... آ بھانڈے
تام چینی، پیتل دے بھانڈے لا —

وہ تینوں پہلے تو سیاسی راہنماؤں کی طرح عوام میں گھُل مل گئیں... نہایت
منکھے نین نقش، گفتگو صرف بزبانِ انگریزی جس پر کانونٹ کا رنگ گوڑھا تھا اور گمان
تھا کہ یہ معزز نہیں ہیں اور ابھی تھوڑی دیر بعد "نچدیاں تینوں سوہنیاں" اور "
ہے بدن" کی دُھنوں پر بے باک اور بے حیا ہو جائیں گی۔

اس دوران سازندے اپنے اپنے سازوں پر جھکے اُنہیں سُر میں لا رہے تھے
خاص لمحے تک اُن تینوں خواتین نے حاضرین کی بے تابی کو بڑھایا اور پھر زاہد کالیے کی
دیکھا جس کی تین پجارو انہیں لاہور سے وصول کر کے ابھی پچھلے پہر اسلام آ
تھیں اور وہ اس دوران اُن میں سے بظاہر نازک ترین پر ہاتھ اور تولیہ صاف کر چکا

"صدقے..." کالیے نے اپنے گلاس کو اوپر کیا یہاں تک کہ اُس کی آنکھوں نے اُس کے پیندے کو دیکھا اور پھر اُس نے کوٹ کی جیب میں سے پانچ پانچ سو روپے کے نئے کور نوٹوں کا ایک پلندہ نکال کر اُس کا نصف حصہ اُن تینوں پر نچھاور کرتے ہوئے نعرہ لگایا — "بسم اللہ بھئی —"

وہ تینوں بقول وارث شاہ پیکنگ کی پُتلیوں کی طرح تھرکتی ہوئی سب کے سامنے آ گئیں۔

وڈیو کی تیز روشنی صاحب کمال کے گلاس پر چمکی تو اس نے آنکھوں کے آگے ہتھیلی کا چھجا بنا کر بے حد ناگواری سے کیمرے کے پیچھے پوشیدہ شخص کو ڈانٹا — "سٹاپ اِٹ یو..."

"کیمرہ ادھر نہیں لے جاؤ طارق..." کالیا فوراً جھپٹ پڑا "صاحب کی طرف نہیں۔ صرف ادھر رکھو کشتیوں کے اوپر.... اور خاص طور پر اُس نازک سی سوہنی پر...." اور کالیا اس دوپہر کی حلاوت اور گرمی میں چلا گیا جو اس سوہنی کے اندر تہہ در تہہ تھی اور وہاں جانا اُسے بہت مہنگا پڑا تھا۔

جو عدیم الفرصت تھے اور گریڈ بیس سے بالا ہو چکے تھے انہوں نے فون پر مسلسل رابطہ قائم کر رکھا تھا کہ اصل کام شروع ہوا ہے یا نہیں — اور یہ سب لوگ اب کاروں سے اُتر رہے تھے۔ وہ اندر آتے تو پہلے گویا کسی سرکاری میٹنگ میں داخل ہونے والے بیوروکریٹ کی طرح ہونٹ بھینچ کر اور گردن اکڑا کر اِک نظرِ حقارت کے ساتھ آتے۔ کچھ دیر اسی حالت میں ساکت رہتے اور پھر موسیقی اور اُن تینوں کے بدنوں کے تحرک اور — کالیے کے استقبالی کلمات سے اُن میں جان پڑنے لگتی اور وہ انسانوں کی کیٹگری میں داخل ہونے لگتے۔

سی ڈی حسین قالین پر آلتی پالتی مارے اپنے سامنے نوٹوں کی گڈیاں سجائے ایک بجھے ہوئے تماشبین کی طرح براجمان تھا اور کبھی کبھار ایک آدھ نوٹ ہوا میں اُچھال دیتا تھا... یہ وہ لمحہ تھا جب وہ صاحب کمال سے سپریئر محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صاحب تقریباً خالی جیب آتے ہیں اور ناچنے والیوں کی نگاہیں کندھے پر لگے رینک کی بجائے نوٹوں کی طرف زیادہ ملتفت ہوتی ہیں۔

"جنابِ عالی —" سی ڈی حسین نے ڈرائنگ رُوم کی بلند چھت پر ایک نظر ڈال

کر نہایت دانش مند شکل بناتے ہوئے کہا "اِن فلی ایئر کنڈیشنڈ گھروں میں مجرا دیکھنے لطف نہیں آتا — میں تجربے کی بات کر رہا ہوں۔"

صاحب کمال بھی اب سی ڈی سے پہلے کی نسبت زیادہ فرینڈلی ہو رہا تھا کیو جانتا تھا کہ ایک عالم ایسا بھی ہو گا جب یہ بیوقوف اپنے نوٹوں کی گڈیاں اس کے آگے کر دے گا اور ہاتھ جوڑ کر اصرار کرے گا کہ سر جی پلیز اپنے ہاتھ لگا دیں — لٹا دیں کتی دولت کو اِن گشتیوں پر — اور وہ اُسے مایوس کرنا مناسب نہیں سمجھے گا۔

"تجربہ تو آپ کا ہے سی ڈی حسین — لیکن کیوں لطف نہیں آتا مجرے کا ایئر کنڈیشنڈ گھروں میں؟"

سی ڈی نے ایک فاتحانہ انداز میں ہاتھ فضا میں لہرایا "جنابِ عالی پہلے زمانے ایئر کنڈیشننگ سسٹم تو ہوتا نہیں تھا بس اوپر پنکھے فل سپیڈ پر چل رہے ہوتے تھے۔ تو جو اصل تماشبین ہوتے تھے وہ نوٹوں کی گڈی کھول کر پنکھے کی طرف اُچھال دیتے تھے جناب عالی جس طرح نوٹ پنکھے کے پروں سے لگ لگ کر لہراتے ہوئے چھم چھم کشتیر گرتے تھے... سبحان اللہ جناب... اب تو ہائے ہائے وہ زمانے ہی نہیں رہے —"

سلامت نہایت سنجیدگی سے ایک کہنہ مشق رپورٹر کی سنجیدگی سے حالات کا لے رہا تھا... اُس نے ہمیشہ زندگی کو ایک فاصلے سے جانچا تھا اور اپنے فیصلے خود کئے تھے ذہنی طور پر قرار میں تھا اور یہاں اُس کی حیثیت ایک غیر جانبدار مبصر کی تھی۔

ہاں بشیر رخصت ہو چکا تھا کیونکہ وہ ان لغویات سے الرجک تھا۔

ابھی وہ کچھ گا نہیں رہی تھیں صرف تال پر تھرک رہی تھیں جیسے کھلاڑی آغاز کرنے سے پیشتر ذرا پریکٹس کرتے ہیں، یہ دیکھنے کے لیے کہ گراؤنڈ کنڈیشن ہے... پچ فاسٹ باؤلرز کے لیے مددگار ثابت ہو گی یا سپنرز کے لیے... وہ وارم اَپ کر تھیں.... اپنے آپ کو بھی اور دیکھنے والوں کو بھی...

اس ڈرائنگ روم میں، ملحقہ لونگ روم میں... برآمدوں اور راہداریوں میں میز، تپائی یا کارنس ایسی نہ تھی جو "ڈرائی" ہو۔ کالیے کے گھر میں بقول اس کے آج اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اُس نے وہ جہاں بھی تھا، بیٹھا تھا یا کھڑا تھا، ہاتھ ہے اور اُس کی گرفت میں بلیک لیبل وہسکی کی بوتل نہیں آئی تو بے شک اس کی پی کے قانونی ہونے کے بارے میں کھلے عام شک کیا جائے۔ اس بندوبست کے علاوہ

قدِ آدم تانبے کی بنی ہوئی قدیم صراحیوں کو بھی ایمرجنسی کے طور پر لبریز کر لیا گیا تھا لیکن اُن میں سے وہسکی انڈیلنے کے لیے خاصا تردّد کرنا پڑتا تھا۔

یکدم خاموشی ہو گئی۔

صرف ایئر کنڈیشننگ پلانٹ کی بھنبھناہٹ تھی جو کانوں میں اُتر رہی تھی۔

اُن تینوں نے اپنے آپ کو ساکت کیا، نرت کی چند ادائیں دکھائیں اور پھر طبلے کی پہلی تھاپ پر حرکت میں آ گئیں۔

"صدقے..." کالیے نے ایک اور نعرہ لگایا اور پھر منظر سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس نے شو شروع کروا دیا تھا — اس کے لیے ان شوز میں زیادہ کشش نہیں تھی... وہ اب تک مہمانوں کی خوشنودی کے لیے ایکٹ کر رہا تھا۔ کالیا اپنے بیشتر وی آئی پی مہمانوں کی نسبت زیادہ باشعور اور چیزوں کے بارے میں سوچنے کا ایک سراسر انفرادی رویہ رکھتا تھا۔ وہ اس وقت بھی تمام لوگوں کا تفصیلی تجزیہ کرنے پر قادر تھا۔ اُس کے بارے میں اس کے ساتھی "کاروباری" کہتے تھے کہ کالیا ہمیشہ اپنی کھیر ٹھنڈی کر کے کھاتا ہے۔

اُس کے دونوں "جگر" اور بھرجائی برگیتا سیڑھیوں کے قریب کھڑے تھے۔

"اوئے ٹھہرو —" یکدم کالیے نے ہاتھ اُٹھا کر بلند آواز میں کہا اور ناچنے والیاں گویا اُسی کی آواز کی منتظر تھیں، وہ جہاں جس انداز میں تھیں، رُک گئیں... لوگ ہنسنے لگے... صرف اس لیے کہ اُن میں سے بیشتر مخمور ہو کر اپنی اوقات بھول چکے تھے اور اب ہنسنے کا یا شور مچانے کا کوئی بہانہ تلاش کر رہے تھے "خواتین و حضرات۔ میں نے زاہد کالیے نے جو آج یہ محفل سجائی ہے تو کس کے لیے سجائی ہے؟ اس کے لیے..." اس نے انتہائی فلمی انداز میں ڈاکٹر ارشد کا ہاتھ پکڑ کر ہوا میں بلند کر دیا "یہ میرا جگر ہے۔ یہ میرا بڈھا شیر ہے۔"

"تھری چیئرز فار بڈھا شیر —" سیڑھیوں کے نیچے نیم دراز ایک نوجوان افسر نے لمبا گلاس اٹھا کر حلق میں خالی کر دیا اور پھر اُس کے شدید اثر سے مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔

ارشد اپنے ہونٹ چبانے لگا اور نظریں جھکا لیں... یہ کم بخت کالیا کیا کر رہا ہے... تمام لوگ منہ کھولے متوقع نظروں سے صرف اسے دیکھ رہے تھے کہ وہ کچھ نہ کچھ تو کہے گا اور انہیں شور مچانے کا ایک اور موقع نصیب ہو گا لیکن وہ ہونٹ چباتا نظریں جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ اور اس خاموشی میں وہ یہ نہ جان سکا کہ کب کالیے نے اس کے گال کے

ساتھ ہزار روپے کا ایک نوٹ پریس کیا ہے اور کب اُس کی آنکھوں کے اشار
بندھی ایک سوہنی آئی ہے اور نوٹ نوچ کر لے جانے سے پیشتر اس پر اپنے ہونٹ
گئی ہے۔ موسیقی یکدم بلند ہوئی اور شور میں بدل گئی اور اس شور میں لوگوں
بھی تھے ناچنے والیوں کے پاؤں میں بندھے گھنگھروؤں کی ایک گونج والی مترنم آواز
تھیں۔

"تمہیں رومال چاہئے —" برگیتا نے ارشد سے دریافت کیا جو اب بھی
جھکائے کھڑا تھا "تمہارے رُخسار پر جامنی رنگ کی لپ سٹک ہے۔"

اگرچہ برگیتا کی جانب کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا لیکن وہ سب کے سب پپوٹوں کے
اُن کے اندر اپنی مکمل ساخت اور بے چین بھرے ہوئے آبنوسی جسم کے ساتھ
تھی۔ وہ اُس کی جانب دیکھتے نہیں تھے لیکن آگاہ تھے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ کالیے
نزدیکی دوست کی سویڈش بیوی تھی — لیکن ایک سویڈ اتنی کالی سیاہ کیسے ہو سکتی ہے

اُس لمحے صرف سی ڈی حسین نے ناچتی ہوئی سوہنی پُتلیوں سے پرے
دیکھا تو پہچان کی ایک پرچھائیں آئی اور گذر گئی۔

اس نے نوٹوں کی ایک اور گڈی کھول کر اُن پر نچھاور کی اور پھر غور سے
جانب دیکھا... پہچان کی وہ پرچھائیں گم ہو چکی تھی۔

"جنابِ عالی پلیز —" اُس نے ہاتھ جوڑ کر صاحب کمال کو متوجہ کیا "
نوٹوں کو ہاتھ لگا دیں... لٹا دیں اس کُتی دولت کو گشتیوں پر..."

اور صاحب کمال نے اسے مایوس کرنا مناسب نہ جانا۔

"مشاہدی —" کالیے نے اس کے کان میں سرگوشی کی "ان تینوں میں
ایک پر دل راضی ہوتا ہے تو بندوبست کر دوں؟"

"یہ تم میرے خاوند کو کچھ کہہ رہے ہو؟" برگیتا نے جو ہنکی لی وہ سویڈش
تھی "سرگوشیاں کرنا اخلاقی طور پر مناسب حرکت نہیں —"

"وَف۔" قریب سے ہی آواز آئی۔ موسیقی اور آوازوں کے شور کی وجہ
وَف صرف مشاہد ارشد اور کالیے کو ہی سنائی دی یا صرف وہی تھے جو اسے سننا
تھے۔

"ہائے ہائے برادر عزیز تم کہاں تھے —" کالیے نے بہت گہری مسرت کا

اور کٹورے کو گود میں اٹھالیا۔

"اوہو کیوٹ —" برگیتا چلائی "یہ کہاں سے آگیا —"

"یہ میرا بھائی ہے — اور یہ معزز مہمانوں میں سے ایک ہے — بلکہ" کالیا اپنی ہنسی سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتا ہوا اپنا منہ برگیتا کے قریب لے گیا "بلکہ یہ چیف گیسٹ ہے —"

برگیتا بے اختیار ہنسنے لگی اور اتنی بے باکی سے ہنسی کہ تینوں ناچنے والیوں نے اسے ناپسند کیا اور تیوڑھی چڑھا کر اُس چُوڑی سی عورت کو دیکھا جس کی جانب ہر کوئی نظر بچا کے دیکھتا تھا۔ اور جو اپنے نشے کا اظہار کرتی ہوئی ذرہ بھر جھجکتی نہ تھی۔

صاحب کمال نے سی ڈی حسین کے نوٹوں کا ایک پلندہ ہوا میں اچھالا تو ایک ایک نوٹ.... الگ الگ بلندی سے نیچے آنے لگا.. ایک ایک نوٹ ایک ایک ہیلی کاپٹر تھا — جو نیچے آرہا تھا۔

میڈیکل سٹاف ہے سَر....

چند نرسیں اور زخمی اور قریب المرگ جوان سَر — انہیں ایوکیوٹ کیا جا رہا ہے....

بر اہِ جانب.. دشمن ان بانسوں کے جنگل میں آچکا ہے — اور وی مسٹ ایوکیوٹ..

انہیں ہیلی کاپٹر سے اُتار دو —

ہیلی کے بلیڈز حرکت میں ہیں سَر... یہ زمین سے اُٹھنے والا ہے سَر... نرسیں اور مرتے ہوئے جوان سَر...

اُتار دو —

سَر!

ہیلی کاپٹر بلند ہوا تو اُس نے دیکھا کہ بانس کے جنگل کے برابر میں جو چھوٹا سا ہیلی پیڈ تھا وہاں مرتے ہوئے جوان اور نرسیں اس آس میں اوپر دیکھ رہے تھے کہ ہیلی واپس آئے گا...

ہیلی واپس کیسے جاتا — وہاں دشمن آچکا تھا۔

ایک ایک نوٹ ناچنے والیوں کے تھرکیلے بدنوں پر لینڈ کر رہا تھا... اُن کے زرق برق لبادے اُن کے جسموں کے گرد اتنی تیزی سے گھومتے تھے جیسے وہ ابھی ابھی فضا میں تحلیل ہو جائیں گی۔ صاحب کمال نے نوٹوں کا ایک اور پلندہ اُن کی جانب اس امید میں پھینکا

کہ اُس کا بوجھ اُنہیں پرواز کر جانے سے روک دے گا ـــ

سی ڈی حسین نے یہ تو محسوس کر لیا تھا کہ سرٗ صاحب کمال کچھ زیادہ ہی لبھا گئے ہیں اور اس کی کُتی دولت کو کچھ زیادہ ہی بیدردی سے لٹا رہے ہیں لیکن وہ روک نہیں سکتا تھا۔ کل کلاں اُن کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

یہ کُتی بُو کہاں سے آ رہی ہے سی ڈی حسین؟

خون تو کب کا خشک ہو چکا تھا...

بکو ـــ وہاں ایک موٹی ہندنی مائی کی لاش ہے... اس نے ایک بڑے گھیر کا گھگھرا پہنا ہوا ہے... تیرا سانس پکا ہے... جا شاباش تجھے سو روپیہ دوں گا۔

باہر، گذرتی ٹرین میں سے مشاہد نے دیکھا کہ ایک سیاہ ننگ دھڑنگ بچہ کسی سارے سرخ رنگ کے بھاری کپڑے کو پلیٹ فارم پر گھسیٹتا چلا جا رہا ہے۔

چار چیزیں ہیں...

شائد اُس محفل میں مشاہد سب سے زیادہ خوش شکل تھا اس لیے... یا وہ کال قریب بیٹھا تھا اس لئے، ناچنے والیاں اس پر اپنی توجہ نچھاور کرنے میں بخل سے کام لے رہی تھیں اور وہ خالی ہاتھ اُن کی جانب دیکھتا چلا جا رہا تھا اور اُن کی نظروں میں کے جو پیام تھے وہ نہیں سمجھ رہا تھا۔

مشاہد نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنی ہتھیلی کو غور سے دیکھا... راکھ ہوتی تو آ جاتی.... شاہ عالمی میں بھڑبھڑ کرتی آگ جو سیاہ پرَ کٹے پرندے فضا میں اُڑاتی تھی اور کے روم کی آگ... اور اس کی راکھ فیصل مسجد کے قریب اس سیکٹر کے اِس عالی شان کے اندر کہاں سے آ سکتی تھی... جیسے سرد راتوں میں اوس کی جو شائبہ شائبہ نمی چہرے محسوس ہوتی ہے ـــ ویسے راکھ اُترتی محسوس ہوتی تھی لیکن تھی نہیں.... اگر ہوتی تو آ جاتی.... کنسپریسی آف ایشرز ـــ

طبلے پر ایک زور دار تھاپ پڑی تو کُتورے نے بھی آنکھیں پوری کھول "وَف" کہا۔ وہ بھی سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

باہر جیپوں میں پولیس کے اہلکار اونگھ رہے تھے اور اندر بدنوں کی گرمی تھی موسیقی کا شور تھا اور نوٹ فضا میں سے ہیلی کاپٹروں کی طرح مسلسل اُترتے تھے...

کُتورا آرام کرنا چاہتا تھا، ذرا اونگھنا چاہتا تھا لیکن طبلے پر اکثر اس

بڑتی تھی کہ وہ چونک جاتا تھا اور جب وہ چونکتا تھا تو دیکھتا تھا کہ کوئی کمر میں ہاتھ ڈالے رقص کرتا ہے، کوئی اپنے آپ میں مگن اور مخمور ناچتا ہے اور کوئی وہسکی کی بوتل اپنے سر پر انڈیلتا ہوا بھیگتا ہے اور کشتیاں اس کے گرد ناچتی ہیں اور اُسے چھیڑتی ہیں... اور اُس کی جیب میں ٹھنسے ہوئے نوٹ نکال کر موسیقاروں کی طرف اچھالتی ہیں..

وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اگرچہ وہ ایک معمولی وے سائڈ کُتورا تھا۔

اُن تینوں کے گھیرے دار لباس موسیقی اور مردوں کے شور میں اُن کے جسم کے گرد لپٹتے تھے اور پھر اُٹھتے تھے... وہ ناچ تو قالین پر رہی تھیں لیکن ان کے پاؤں سے دُھول اُٹھتی تھی جو اُن کے گھومتے ہوئے لبادوں میں جاکر چکراتی اور چہروں کی جانب سفر کرنے لگتی... دُھول کا رنگ راکھ ایسا تھا' کُتورے نے نوٹ کیا۔

اور پھر ایک لمحہ ایسا آیا کہ وہ تینوں ساکت ہو گئیں اور اُن کی اُٹھی ہوئی باہیں جیسے سوکھی ہوئی شاخیں ہیں اور وہ ایک سلیٹی رنگ کی لینڈ سکیپ میں ہیں جہاں دُور آلوچے کے جنگلوں میں سے ایک یخ ہوا آتی ہے اور ابھی کہیں کہیں دھبّے تھے اور شگوفوں کے کِھلنے کے لیے ابھی تھوڑی سی حِدّت درکار تھی جو اگلے تین چار ہفتوں میں تو ممکن نہ تھی۔

لیکن آلوچے کی شاخوں پر پھوٹتے ہوئے سفید دھبّے دیکھتے دیکھتے اُس کی نظروں کے سامنے اندھیرے میں کِھلنے لگے۔

"وَف —" کُتورے نے خوش ہو کر اُنہیں کِھلتے ہوئے دیکھا — اور صرف وہ تھا جو اُنہیں کِھلتے ہوئے دیکھ رہا تھا... اور باقی جو تھے وہ ناچنے والیوں میں مگن تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ ساکت ہو چکی تھیں اور اُن کی باہیں سوکھی ہوئی شاخوں کی طرح تھیں جن پر سفید دھبّے تھے جو کِھلنے والے تھے یا کِھل چکے تھے۔

پھر ساری شاخیں سفید شگوفوں سے بھر گئیں...

ایک سفید اور کِھلا ہوا اور مہک والا شگوفہ کُتورے کے عین سامنے آ گرا۔

"وَف —" اس نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

چار چیزیں ہیں...

اور یہ ہم ہیں —

وَف —

وہ پتہ نہیں کس جانور کی کھال تھی جس کی ملائمت میں اس کی ستواں ناک اور اُس میں ایک حیوانی وحشت سے بھری مہک آتی تھی جو اُس کے تقریباً اٹھارہ سال میں یوں سرائت کرتی تھی جیسے اُسے ابھی زیر کر لے گی اور اُس کے نیچے نہ صرف جانور کی کھال ہو گی بلکہ وہ سب کچھ بھی ہو گا جس میں اُس کا چہرہ بمشکل سانس لیتا تھا اس کی ملائمت ایسی تھی کہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کہاں وہ نرم ملائمت ختم ہوتی ہے اور ایک وحشت سے بھری گرم مہک شروع ہوتی ہے... اور کہاں اُس کے ہونٹ ایک راستہ بناتے ہوئے اوپر آتے ہیں اور اوپر جو ہونٹ کھُلے ہیں جن میں گہرے سانسوں ہے اور ایک دلدل میں بدل جاتے ہیں.. اور دلدل کو الگ الگ کرنا بہت دشوار ہوتا اور ایک گہرا سنسناتا ہوا سناٹا تھا جو اس کے لُوں لُوں کو ایک رطوبت بھری بے چینی بھرتا تھا۔

دُھند اس پتھریلی میڈی ایول گلی میں ٹھہری ہوئی تھی۔

اور اُس نے اپنے سمور کی کوٹ کی جیب میں سے گھر کی چابی نکالتے ہوئے تم مجھے شب بخیر کہنے سے جھجک رہے ہو مجھے اب بھی شک ہے کہ تم اکیس برس کے ہو۔

رات بہت گذر چکی تھی اور کوبلڈ سٹریٹ کے پتھروں کے اوپر دُھند کی ٹھہری ہوئی تھی اور اُن پر جو آواز تھی صرف ان کے چلنے کی تھی۔ اُس کی ہائی ہیل کبھار کسی ناہموار پتھر سے لڑکھڑا جاتی اور وہ اپنے سمور کے کوٹ سمیت اُس کا سہارا وہ ہراساں ہو کر سوچتا، کوکی نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس لڑکی کو اگر گھر تک چھوڑنا ہے تو اس کے آداب کیا ہیں اور جب وہ لاعلم اور ہونق سا کھڑا رہا تب اُرسلا نے کوٹ میں سے چابی نکالتے ہوئے کہا تھا کہ... مجھے اب بھی شک ہے کہ تم اکیس برس نہیں ہو اور اتنی نزدیک آ گئی تھی کہ وہ "ٹو کلوز فار کمفرٹ" ہو گئی تھی...

"میں ہوں —" وہ بڑبڑایا تھا۔

"کیا؟"

"اکیس برس کا..."

"تم اس کا کوئی ثبوت نہیں دیتے —" وہ ہنس دی۔

تو ستمبر کی اس رات میں — نوٹنگھم کے رابن ہڈ کاسل کے قریب ایک ڈھلوان رلی گلی میں دیوار سے ٹیک لگائے، سرد اور دُھند آلود رات میں وہ عورت کی اُس مہک ، آشنا ہوا... سینے پر پھوٹتے گرم پسینے کی مہک سے آشنا ہوا جو نسل انسانی کی بقا بھی ہے راس کی بربادی بھی... اس میں اُرسلا کی پسندیدہ خوشبو بھی شامل تھی اور سمور کے کوٹ ا جانور مہک بھی اور پسینے کی نمی کا رچاؤ بھی اور سب سے وحشی اور قابو میں نہ آنے والا یعنی اُس کا بدن بھی — اس مہک کو صرف اولین تجربے میں ہی جانا جاتا ہے، دوسری اس کا موازنہ کیا جاتا ہے، تیسری مرتبہ آپ کے پاس چناؤ کا موقع ہوتا ہے اور پھر یہ ، روٹین میں بدل جاتی ہے، اور کسی بھی روٹین کی کوئی مہک نہیں ہوتی صرف میکنزم تا ہے۔

ہونٹوں کا سفر گرم اوس والے ٹراپیکل جنگل میں تھا جہاں اندھیرے میں گرم ائیں اور سرگوشیاں تھیں۔

یہ تجربے کی پہلی سیڑھی تھی۔

یہ اُرسلا تھی۔

اور جو سمیعہ تھی وہ آج سے ٹھیک پندرہ روز پیشتر لکشمی مینشن میں اپنے صحن میں ا پکی بانس کی سیڑھی پر چڑھ کر کوٹھے پر آئی تھی اور بہت نڈر ہو کر اس کے صحن پر سے انکتے ہوئے اسے اوپر آنے کا اشارہ کیا تھا... وہ ایک ڈراکل بچے کی طرح جو کہ وہ تھا ب سے چُھپ کر اوپر گیا تھا تو سمیعہ ایک لَو کٹ گلے والی ململ کی شرٹ میں فلمی ونوں کی طرح ایک گھائل ہرنی کی تصویر بنی آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی تھی "میں ماری جدائی میں مر جاؤں گی مشاہد، میری دنیا برباد ہو جائے گی مجھے چھوڑ کر جانے لے..." اور مشاہد ایک ہپنوٹائزڈ کبوتر کی طرح صرف اس کے پندرہ سالہ ابھی نیم ترقی ر سینے کو دیکھے چلا جا رہا تھا جس پر ایک سستا، داتا دربار کے عرس کے موقع پر خریدا ہوا ٹ ادھر اُدھر لڑھک رہا تھا۔

"پیاری میں وعدہ کرتا ہوں کہ پردیس سے جلد واپس آ جاؤں گا ــــ"
اسے کہنا تھا اس لیے اُس نے کہا ورنہ وہ قطعی طور پر جلد واپس آنے کا ارادہ نہیں تھا۔

"تم مجھ سے مُحبت کرتے ہو ناں؟"

"ہاں ــــ"

اس "ہاں" کے جواب میں سمیعہ نے ایک شرابور آنسو نچوڑتی آہ بھری اور آگے ہو کر اپنے ہونٹ نیم وا کر دیئے بالکل اُسی انداز میں جس میں اُس نے مدھوبالا کو دیکھے تھے.... مشاہد نے منٹو صاحب کے افسانوں میں اکثر اس قسم کی صورت حال کے بارے میں تفصیلی تذکرے پڑھے تھے لیکن اگر سچ مچ اس قسم کی صورتِ حال بالکل کے سامنے بیٹھی آنکھوں میں آنسو لیے ہونٹ کھولے منتظر ہو تو کیا کرنا چاہیے... اس بارے میں تو منٹو صاحب نے کچھ نہیں لکھا تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے اور اُس لمحے لکشمی مینشن کی چھت پر ستمبر کے اوائل اس کا پورا وجود سرگوشیاں کرتا ہوا دہکنے لگا تھا تو اس نے پہلے تو اُس لڑھکتے ہوئے لمحے ہاتھ مرکھ کر اسے تھاما اور جو کچھ اس کے نیچے آیا اسے بھی تھاما اور وہاں تھامنے کے بہت کچھ نہ تھا اور پھر اس کے نیم وا ہونٹوں کو سیل بند کر دیا یہاں تک کہ کافی دیر سمیعہ نے اسے دھکیل کر پرے کیا اور شرمند ہو کر کہنے لگی "ہائے اس طرح تو سانس نہیں لیا جاتا ــــ"

یہ صرف پندرہ دن پہلے کی بات تھی۔

اور اس نے ابھی ابھی یہ سیکھ لیا تھا کہ اس دوران سانس کس طرح لیا جاتا اور یہاں تھامنے کے لیے بھی بہت کچھ تھا۔

وہ ابھی گورنمنٹ کالج کے گوتھک برآمدوں، بے آرام کرنے والے ڈیسک کلاک ٹاور، اوول اور اوپن ایئر تھیٹر میں قیوم نظر کی پاٹ دار آواز اور اونچی چھتوں کلاس رومز میں صفدر میر زینو کی جان گلگو شیکسپیئرن انگریزی اور عطا الرحمن کی اکنامکس کے لیکچرز کی ایک نئی اور بدن کو ایک پُرامید امنگ دینے والی دنیا میں چوہدری اللہ داد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مزید تعلیم انگلستان میں حاصل کرے گا۔ پہلے کے حق میں فیصلہ ہوا اور اس فیصلے میں مشاہد سے مشورہ کرنا ضروری نہ سمجھا

برمنزل اس لیے کہ قائداعظم جو اُس نسل کے تقریباً پیغمبر تھے بیرسٹر تھے.. پھر مشاہد ے دل گرا کر کے ہلکا سا احتجاج کیا کہ وہ قائداعظم کی ہمسری کرنے کے قابل نہیں ہے اور اُسے پلیز کسی تخلیقی شعبے میں تعلیم کے لیے اگر انگلستان بھیجنا ہی ہے تو بھیجا جائے۔

چنانچہ اس کے لیے ٹیکسٹائل انجینئرنگ کا چناؤ کیا گیا جو اُن کے نزدیک ایک تخلیقی شعبہ تھا.. اِس چناؤ کا سبب چوہدری صاحب کے ایک عزیز دوست کا برخوردار تھا جو یہ کورس پاس کر کے وطن پہنچتے ہی بوریوالہ میں ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر ملازم ہو گیا تھا اور اُسے فیکٹری کے کمپاؤنڈ میں ایک ایسا گھر بھی الاٹ ہو گیا تھا جس کے دونوں غسل خانوں میں فلش سسٹم کی ماڈرن سہولت تھی۔

نوٹنگھم پہنچتے ہی خالد کوکی اس کے تمامتر معاملات کا نگہبان ہو گیا۔

خالد کوکی پچھلے کئی برس سے نوٹنگھم میں مقیم تھا' خالص لاہوریا اور انتہائی ذہین اور چارمنگ ہونے کی وجہ سے ابھی تک جیل نہیں گیا تھا... کالج کبھی اٹینڈ کرتا تھا اور اکثر نہیں کرتا تھا اور جب نہیں کرتا تھا تو رودبار انگلستان کے پار کسی جرمن چرچ یا اطالوی کلیسا میں کسی جرمن یا اطالوی لڑکی کے ساتھ کھڑا اُسے شادی کی انگوٹھی پہنا کر "ڈش لینڈ اُوبر آلس ـ" یا "آوے ماریا" وغیرہ گا رہا ہوتا تھا.. ہر ماہ جب اس کے مڈل کلاس والدین خرچے کا چیک بہ سلسلہ ہائر سٹڈیز روانہ کرتے تو وہ سب سے پہلے اسے کیش کروا کے دو "چیزوں" کا بندوبست کرتا۔ ایک وہ جس سے نسل انسانی کی بقا میں رکاوٹ پڑتی ہے اور دوسری کم از کم چھ عدد ذرا سستی قسم کی لیکن دیدہ زیب انگوٹھیاں.... یہ انگوٹھیاں ہر اُس بے وقوف یا شاطر دوشیزہ کے لیے تھیں جسے وہ پہلی ملاقات کے بعد رات بارہ بجے فون کر کے مسلسل آہیں بھرتا.. اگلے روز ہر تین گھنٹوں کے وقفے سے پھولوں کے تحفے بھیجتا اور اُس سے اگلے روز بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لا کر اعلان کرتا کہ وہ پچھلے تین روز سے سو نہیں سکا کیونکہ اُسے شدید عشق ہو چکا ہے اور اب یہ جو ایک انگوٹھی میرے پاس ہے یہ میری والدہ مرحومہ نے آخری ہچکی لیتے ہوئے وصیت کی تھی کہ صرف اس لڑکی کو پہنانا اور یہ انگوٹھی ہمارے خاندان میں مغلوں کے عہد سے چلی آ رہی ہے تو صرف اس لڑکی کو پہنانا جس کے ساتھ تم پہلی بار محبت میں مبتلا ہو کر شادی کرو گے ــــ اور تم وہی لڑکی ہو.... تمہاری انگلی کہاں ہے؟

خالد کوکی نے صرف لاہوریئے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو اُس کا آفیشل

شیپران مقرر کر لیا تھا۔

اگرچہ وہ اس سے کئی برس سینئر تھا لیکن مشاہد کو اس نے "یار" کے رُتبے کر دیا تھا۔

"یار پاکستان سے جو لڑکے آتے ہیں اُن میں سے بیشتر گھامڑ ہوتے ہیں۔ قطعی طور پر علم نہیں ہوتا کہ یہاں انگلینڈ میں کس طرح پراپرلی بی ہیو کیا جاتا ہے... بتاؤ کہ تمہاری وارڈ روب میں کیا کیا ہے... میرا مطلب ہے کپڑے کونسے ساتھ لے آ ہو... نہیں نہیں یار یہاں دھاری دار پاجاموں اور کُتے کے کانوں ایسے کالروں والی سے کام نہیں چلے گا... ذرا نوٹ کرو... تمہیں ایک بلیک سوٹ اور گرے سلک ضرورت ہے سیٹر ڈے نائٹس کے لیے... اور سنڈیز کے لیے صرف اور صرف فلینل ٹراؤزرز، نیلا بلیزر اور سرخ ٹائی — سرخ جرابوں اور کالے شوز کے ساتھ۔ کے دِنوں کے لیے نیلا سویٹر اور ہلکے کریم کلر کی پتلون... کالج جانے کے لیے سکاٹش ٹویڈی کوٹ، کہنیوں پر چمڑا، چیک شرٹ، اونی براؤن ٹائی اور براؤن سویڈ شوز — برساتی اور ایک بڑے کالروں والا اوور کوٹ..."

مشاہد نے پورے ایک ماہ کا خرچہ کوکی کی ہدایات کے مطابق "آسٹن ریڈ" روم میں خرچ کر دیا... انگلینڈ میں بی ہیو کرنے کے لیے... پراپرلی۔

اب ذرا پرائیویٹ اور خفیہ سیشن شروع ہوا۔

"کیا کبھی کسی لڑکی کے ساتھ...."

مشاہد کے نہ صرف کان سُرخ ہو گئے بلکہ جو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا وہ بھی سُ گیا۔ کیونکہ یہ بے شرمی کی بات پوچھی گئی تھی۔

کوکی نے ازحد مایوسی سے سر ہلایا "یار تم ابھی تک... نہیں یار... بالکل گ

مشاہد نے لجا کر ذرا سا سر ہلایا۔

"یار یہ تو معاملہ گڑبڑ ہے... تمہیں تو ٹرین کرنا پڑے گا... اچھا تو کبھی کسی کی بھی نہیں لی؟"

مشاہد نے سمیعہ کا آخری راز افشا کرنا مناسب نہ سمجھا اور پھر انکار میں سر ہلا

"اوئے —" کوکی نے اسے ایک زوردار دھپ لگا کر اپنی چوڑی اد والی مسکراہٹ سے نوازا "تم تو بالکل ہی کچے ہو — کتنے سال کے ہو؟"

"میں — اٹھارہ برس کا ہو جاؤں گا —"

"اوئے ہوئے — یہ تو بیڑہ ہی غرق ہو گیا۔ اتنے چھوٹے... تم تو ابھی بچے ہو
... تم کو بڑا کرنا پڑے گا —"

اور کوکی نے مشاہد کو بڑا اس طرح کیا کہ ایک شام اپنی سپروژن میں اُسے ڈریس
پ کروایا... مناسب کولون اس کے لباس پر چھڑکے، ٹائی کی گرہ درست کی، اپنے ہاتھوں
ے اُس کی کنگھی کی اور پھر کہنے لگا "یہاں مشاہد ٹائپ نام لڑکیوں کو آسانی سے یاد نہیں
تے اس لیے آج سے تم مشیل ہو..."

"نہیں کوکی اباجی ناراض ہوں گے... کہیں گے انگریز ہو گیا ہے۔"

"تم اب آزاد ہو جانی... اباجی کی پہنچ سے بہت دور... اور یہ انگریز نہیں فرانسیسی
ہے سخت رومینٹک قسم کا... مشیل آج تم بڑے ہو جاؤ گے انشاء اللہ —"

باہر، نو نگھم کے ماہ ستمبر میں 1958ء میں ہر سو دُھند تھی جس میں اُن کی برساتیاں
ں دُھند سے نم ہو کر مزید یخ ہوتی تھیں۔ کوکی نے سب سے پہلے تو ایک پرانی پب میں
لریئر کے دو مگ پیئے اور مشاہد اُسے حیرانی اور قدرے خوف سے دیکھتا رہا کہ یہ شخص
اب پیتا ہے اور ابھی جھومنے لگے گا اور اے مرے دل کہیں اور چل گانے لگے گا کہ
ں کے ذہن میں شراب کا یہی تصور تھا لیکن کوکی کو کچھ بھی نہ ہوا اور وہ ڈرافٹ کی ایک
ا کھیلنے کے بعد باچھوں سے جھاگ پونچھتا ہوا مسکرا کر کہنے لگا "یہ ذرا وارم اَپ ہو رہا
۔"

کافی ہاؤس جس کا نام "آل گریکو" تھا کوکی کا پسندیدہ ہانٹ تھا اور وہاں، مشاہد نے
ن عرصے کے بعد جانا کہ جو تصویریں دیواروں پر چسپاں تھیں وہ کسی مشہور ہسپانوی مصور
ا گریکو کے پرنٹ تھے۔ یہاں مشاہد نے اپنی زندگی کی پہلی سفید جھاگ والی ایسپریسو کافی
ا گھونٹ اپنے حلق میں اُتارا... وہ دونوں اپنی نئی برساتیوں میں اور نئے سوٹوں میں اور نئی
لی جوانیوں میں اپنے سامنے آویزاں آئینوں میں واقعی دلکش لگ رہے تھے... اور
رے کونے میں سنہری بالوں والی دو جرمن لڑکیاں سرجوڑے ہنستی تھیں اور اُن کی
ا رکتی نہ تھی کیونکہ وہ اپنے سامنے بیٹھے ڈارک اور مشرقی نوجوانوں کی سیاہ آنکھوں کے
م سے کیسے نکلتیں کہ وہ اُن کے پہلے مشرقی طلسم تھے اور اُن کی ایک ایک چیز اُن کے
ا میں اور اُن کے سینے کے اُبھاروں میں کھبتی تھیں اور اُن کے اندر تک اثر کرتی

تھی... اور کوکی ایک شاطر کھلاڑی کی طرح یہ جانتا تھا...

اس نے ایک خفیہ اشارے سے اُس ویٹرس کو بلایا جو اس سے پیشتر
ثابت ہو چکی تھی اور جسے وہ اوبلائج کر چکا تھا اور اُن گنگلی خواتین کے بل کی ادا
— اور جونہی اُن خواتین نے یہ جانا کہ سامنے بیٹھے جادو بھرے ڈارک مشرقیوں
کافی اور فرنچ فرائز کی پے منٹ کر دی ہے تو انہوں نے بظاہر ازحد شرمندگی سے
اپنے تشکر کا اظہار کیا اور یہی وہ سنہری لمحہ تھا جب کوکی اپنی نشست سے اُٹھا اور ا
کے سامنے جھک کر اپنے بڑے دانتوں والی باچھوں تک آنے والی مسکراہٹ
اُنہیں اپنی ٹیبل پر مدعو کیا... اور اُنہیں بندھے آنے کے لیے کچے دھاگے کی بھی
نہ تھی۔

"لمبی والی تمہاری ہے اور چھوٹی اور قدرے پلی ہوئی میری ہے.." اُن
بیٹھتے کوکی نے اسے وارن کر دیا۔

کوکی ایک چارمر تھا... وہ ٹرکس آف دی ٹریڈ جانتا تھا — ایک جرمن لڑ
طرح لبھایا جاتا ہے، اُسے کون کونسے لطیفے سنائے جاتے ہیں اور کس لمحے اُسے
اُداس کیا جاتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ اس لیے بھی جانتا تھا کہ اس کی ایک بیوی جر
بھی اُس کی منتظر تھی۔ اور وہ اتنی جرمن ضرور جانتا تھا جتنی آخری آہ تک لے جا
لیے ضروری ہوتی ہے..

جرمن لڑکیاں جو انگلستان میں گھریلو ملازمت کے دوران انگریزی سیکھنے
آتی تھیں اور اُن کی انگریزی ابھی جرمن سے الگ نہیں ہو رہی تھی ایک مشرقی
اپنی زبان بولتے ہوئے سن کر مکمل طور پر غافل ہو گئیں اور کوکی اسی غفلت کا انت
تھا۔

"خبردار ان کو یہ نہ بتانا کہ تم صرف سترہ برس کے ہو —" اُس نے اُن کی
باچھیں کھلی مسکراہٹ کو منقطع کیے بغیر مشاہد سے کہا "ورنہ یہ مائنڈ کر جائیں گی
فراؤ لائن —" وہ اُن میں سے چھوٹے قد کی اور مناسب حد تک پلی ہوئی جرمن
طرف راغب ہوا "کیا حسین اتفاق ہے کہ میں... میں کوکی ہوں.. اور میرا دوست
ہے... ہم دونوں ابھی ابھی ایک فلم دیکھنے جا رہے ہیں... کیا آپ ہمیں اپنی رفاقت
بخشیں گی... بیتے..."

اُن دونوں نے شوقین نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا... غیر ملکی گھریلو ملازمہ کی تنخواہ اتنی کم ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی پینیز گنتی رہتی ہے... کندھے سکیڑ کر ہنسیں اور پھر کہنے لگیں — "ونڈے بار۔"

اُن میں سے ایک اُرسلا تھی... اُرسلا پبٹس... اور دوسری اِنگے تھی.. اِنگے شیل۔

فلم کا نام "دو بیگھہ زمین" تھا... انگریزی کے سب ٹائٹلز کے ساتھ۔

بلراج ساہنی کلکتہ کے بازاروں اور گلیوں میں.. بے پناہ آبادی کے اژدہام میں ایک رزق اُتارنے کے لیے، اپنی دو بیگھ زمین کو رہن سے چھڑانے کے لیے دن رات رکشا کھینچتا ہے — ایک انسان حیوانوں کی طرح انسانوں کا بوجھ کھینچتا ہے اور اس کی پنڈلیوں کی رگیں پھٹنے کو آتی ہیں اور وہ ہانپتا ہوا اپنی زمین کی خاطر دوڑتا چلا جاتا ہے — یہ سب کچھ سکرین پر حرکت میں تھا اور مشاہد نہایت دل جمعی سے تیزی سے سرکنے والے انگریزی سب ٹائٹل پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جب کوکی کی آواز آئی — "مشیل....."

اور جو کچھ اُس نے کہا وہ سن کر مشاہد سناٹے میں آ گیا۔

یقیناً اُس بھید بھری انگلستانی تاریکی میں ایک خُوشبو اُس کے برابر میں جانور کی کھال رنسوانی سینٹ اور بدن کی تھی اور اُرسلا نے ذرا مہربان ہو کر اُس کا ہاتھ تھام رکھا تھا ن یہ کس طرح ہو سکتا تھا وہ — وہ کرے جس کا مشورہ کوکی دے رہا تھا۔ اگرچہ ایک اُسے بھی تنگ کرتا تھا... سکرین پر بلراج ساہنی کلکتہ کے بازاروں میں بھاگ رہا تھا، پسینہ نچھ رہا تھا، ہانپ رہا تھا، ہر دن کے اختتام پر رقم گن رہا تھا — ہم کب گاؤں واپس یں گے؟ اُس کا بیٹا پوچھ رہا تھا — اور اُرسلا کا چہرہ اُس کے رُخسار کو حدت دے رہا تھا۔

"یہ تمہارا ملک ہے فلم میں؟"

"نہیں —" اس نے فوراً کہا "یہ انڈیا ہے — میں پاکستانی ہوں... تم پاکستان کو ں جانتی؟"

"نہیں — لیکن میں پاکستانی کو جانتی ہوں..." وہ یقیناً جغرافیے سے آگاہ ہونا چاہتی

"نہیں —" اس نے احتجاج کیا۔

"تمہاری عمر کیا ہے —" ایک شک بھری آواز میں ارسلا نے دریافت کیا۔

"— اکیس برس"